61

# پیدائش انسان کی غرض

(فرمودہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۴ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا

میں نے پچھلے جمعہ میں اس امر کے متعلق توجہ دلائی تھی کہ رمضان کے فوائد میں سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر خدا تعالیٰ نے ایسے اوقات عبادتوں کے لئے رکھ دیئے ہیں۔ کہ اگر انسان ان اوقات میں خدا تعالیٰ کی عبادت کامل تذلل اور پورے خشوع و خضوع سے کرے تو یقیناً اپنے محبوب سے مل سکتا ہے۔ اور اس مقام پر پہنچ سکتا ہے کہ اگر اس مقام سے اس کو تمام دنیا کی حکومتیں مل کر بھی گرانا چاہیں۔ تو بھی اس کے پائے ثبات کو لغزش نہیں دے سکتیں۔ یہ وہ مقام ہے جس پر پہنچنے کے بعد اس کو گرنے کا ذرا احتمال نہیں رہتا۔ اور اس کو خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے جس سے بڑھ کر دنیا و آخرت کا کوئی انعام نہیں۔ آج پھر میں اسی مضمون کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ **وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون** (الذریات ۵۷) کہ میری جن و انس کے پیدا کرنے سے صرف ایک غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے عبد بن جائیں۔ اور میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو تکالیف ان کو میری راہ میں پیش آئیں۔ ان کو برداشت کرتے ہوئے ان میں سے بآسانی گذر جائیں اور حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔ جب کوئی اس طرح کرتا ہے۔ تب وہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے۔ کہ میرا عبد کہلا سکے۔

عبودیت کے معنی عربی زبان میں کامل عاجزی اور تذلل کے ہیں۔ تذلل کہتے ہیں۔ کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے اثر سے متاثر ہونا۔ اور اس کے نقش کو قبول کرنا۔ مثلاً انسان نرم مٹی پر ہاتھ مارتا ہے۔ تو اس پر ہاتھ کا نقش بن جاتا ہے۔ اس نقش کو عربی زبان میں تذلل کہتے ہیں اور چونکہ

گیلی مٹی کسی فاعل کے اثر سے جلدی متاثر ہو کر اس کے نقش کو جو وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قبول کر لیتی ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنا عجز اور انکسار ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خاک سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اور خاکسار کہلاتے ہیں۔ اس طرح تذلل اور عاجزی کے اظہار کو مد نظر رکھتے ہوئے عربی زبان میں یہ محاورہ ہے کہ تربت یدک یعنی خاک آلودہ ہوں تیرے ہاتھ۔ یہ محاورہ عرب لوگ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کسی کی ذلت اور عاجزی ظاہر کرنا یا اس کے استحقار کو ظاہر کرنا منظور ہو۔ اور اس محاورہ میں مٹی کے لفظ کو لانے کی یہی حکمت ہے کہ مٹی میں جس قدر تذلل اور عجز ہے اور کسی چیز میں نہیں۔ یہ اپنے اندر کامل تذلل کا سامان رکھتی ہے۔ اور سامان رکھنے کے ساتھ ہی یہ مختلف قسم کی شکلیں بھی اختیار کر سکتی ہے اگر تم باریک مٹی کو کسی چوڑے برتن میں ڈالو گے تو وہ چوڑی شکل اختیار کر لے گی۔ اور اگر گول برتن میں ڈالو گے تو گول شکل اختیار کر لے گی۔ اسی طرح گیلی مٹی کو جن شکلوں میں ڈھالنا چاہو گے وہ ڈھل جائے گی۔ اور تم اس سے مختلف قسم کے برتن لوٹے پیالے وغیرہ بنا سکتے ہو۔ اسی طرح اینٹیں بن سکتی ہیں۔ جن سے تمہارے اعلیٰ درجے کے رہائشی مکان تیار ہوا کرتے ہیں۔

اسی امر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے۔ اور مٹی کے بنانے سے یہ غرض ہے کہ جس طرح مٹی ہر قسم کے اثرات سے متاثر ہو کر اپنے اندر بیسوں قسم کے نقوش جذب کر سکتی ہے۔ اور وہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ مختلف قسم کی شکلیں اختیار کر سکے۔ اسی طرح بندہ میں خدا تعالیٰ نے ایسی طاقت رکھ دی ہے کہ وہ نیکی اور بدی دونوں راہوں پر چل سکتا ہے اور دونوں صفتوں کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔ اگر بندہ کے اندر بدی کو قبول کرنے کا مادہ نہ رکھا جاتا اور یہ فرشتوں کی طرح نیکی ہی پر قادر ہوتا اور بدی کے نزدیک نہ جا سکتا تو یہ ہرگز اس قابل نہ ہوتا کہ اس کو اعلیٰ درجے کے انعام دیئے جائیں۔ اور نہ ہی اس لائق ہوتا کہ اس کے مدارج کی ترقی ہوتی۔ پس خدا تعالیٰ کا انسان کو بار بار یہ فرمانا کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تو مٹی کی طرح اپنے اندر تبدیلی کر سکتا ہے۔ اور مختلف قسم کے نقوش نیکی اور بدی کے اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔ اور ان کے اثرات سے متاثر ہو سکتا ہے۔

باوجود مختلف تاثرات کو قبول کرنے کے پھر ایک خاص صورت اور شکل اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ نیک ہو جا اور میرا عبد بن جا اور ہماری ذات کے عکس کو اپنے اندر جذب کر اور کامل

عبد کہلا۔ کامل عبد وہی ہو سکتا ہے۔ جس میں دونوں صفتیں موجود ہوں۔ یعنی جہاں وہ اپنے مالک کی اطاعت کرتا ہو۔ وہاں اس میں یہ بھی طاقت ہو کہ نافرمانی کرنے پر بھی قادر ہو۔ اور باوجود نافرمانی کی طاقت رکھنے کے پھر وہ اپنے مالک کی اطاعت کرے۔ اور اس کا فرمانبردار ہو۔

آگے ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ جو کہتا ہے کہ میرے عبد بن جاؤ تو کیا اس عبد کے لفظ کے معنے خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی وہی ہیں۔ جو عرف میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور کیا ان ہی اغراض کو پورا کرنے کے لئے عبد بننے کا حکم دیا ہے۔ جن اغراض کو پورا کرنے کے لئے ایک آقا ایک غلام کو خریدتا ہے۔ اور اس سے مختلف کاموں میں اپنا ہاتھ بٹواتا ہے۔ جیسا کہ بعض اوقات ایک آقا ایک غلام کو اس لئے خریدتا ہے کہ وہ مختلف قسم کے بوجھوں کے اٹھانے میں اپنے آقا کا ہاتھ بٹائے۔ اور اس کی مدد کرے یا بعض اوقات ایک مالک ایک نوکر اس لئے رکھتا ہے کہ وہ اگر باہر سفر پر جائے یا کسی اور غرض سے گھر سے نکلے تو وہ اس کی عدم موجودگی میں گھر کی حفاظت کرے یا جب وہ سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے کی خاطر بیٹھ جائے۔ تو نوکر اس کی جگہ ہل چلائے اور اس کے کام میں اس کی مدد کرے۔ پھر بعض اوقات ایک آقا غلام کو اس لئے خریدتا ہے کہ دشمنوں کے دلوں میں اس کی دہشت بیٹھ جائے اور کسی دشمن کو طاقت نہ ہو کہ وہ اس پر کسی غفلت کے وقت حملہ کر سکے۔ بسا اوقات ایک آقا ایک غلام کو اس لئے خریدتا ہے کہ وہ آقا کے لئے باڈی گارڈ بننے کا کام دے سکے اور ہر وقت اس کے ساتھ سایہ کی طرح لگا رہے تاکہ کوئی دشمن اس پر کہیں اچانک حملہ نہ کر دے۔ اور اس کو جان سے نہ مار دے۔ پھر بعض دفعہ غلام ظاہری شان و شوکت کے دکھلانے کے لئے خریدا جاتا ہے اور جب اس کا آقا بازار میں سیر کے لئے نکلتا ہے تو وہ لوگوں کو راستہ سے ہٹاتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ راستہ صاف کر دو میرا آقا آتا ہے اور اس طرح لوگوں پر اپنے آقا کی شان و شوکت ظاہر کرتا ہے۔ لیکن کیا خدا بھی تمہارا محتاج ہے اور تمہیں اس لئے عبد بناتا ہے کہ تم اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاؤ یا اگر وہ باہر سفر کو جائے۔ تو تم گھر کی حفاظت کرو یا اس لئے کہ تمہارے عبد بننے کی وجہ سے اس کے دشمنوں کے دلوں میں اس کی دہشت اور خوف بیٹھ جائے۔ یا اس لئے کہ تم اس کے باڈی گارڈ بنو اور اس کے غفلت کے وقتوں میں اس کی اس کے دشمنوں سے حفاظت کرو۔ یا اس لئے کہ وہ تمہارے ذریعے اپنی شان و شوکت اور جلال ظاہر کرے۔ ہرگز نہیں' خدا اپنے جلال اور شان و شوکت کے ظاہر کرنے میں تمہارا محتاج نہیں اس کا جلال تو اب بھی اسی طرح ظاہر ہے جس طرح پہلے ظاہر تھا اور جب تم نہ ہو گے تب بھی اسی طرح

ہو گا۔ پس جب وہ ان تمام غرضوں کے پورا کرنے کے لئے تمہیں عبد بنانا نہیں چاہتا تو پھر وہ کون سی غرض ہے جس کے پورا کرنے کے لئے تمہیں کہتا ہے کہ میرے عبد بن جاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس غرض کے لئے تم کو عبد بنانا چاہتا ہے کہ تم اپنے فائدہ کے لئے نیک بنو اور اس کے لئے تذلل اختیار کرو اور اسی کے ہو جاؤ۔ اسی کی طرف خدا تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے کہ تمہاری پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ تم میرے عکس کو اپنے اندر جذب کرو اور میری صفات میں رنگین ہو جاؤ۔ تاکہ میرے کہلاؤ اور اس گیلی مٹی کی طرح ہو جاؤ۔ جس پر آسانی سے قسم قسم کے نقش پڑ سکتے ہیں تاکہ تم پر خدا کا عکس پڑے اور اس کی صفات تمہارے اندر منقش ہو جائیں۔ پرانے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کاغذوں کی قلت کی وجہ سے کتابیں مٹی پر لکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ اب بھی ایسی مٹی کی تختیاں ملتی ہیں۔ جن پر مختلف کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ پس تم گیلی مٹی ہو جاؤ۔ تاکہ تم پر میرے جلال کا عکس پڑے۔ اور میں تم کو اپنا نشان بنا سکوں اور تم میرے ظہور ہو اور ان لوگوں کے لئے نمونہ بنو جو ابھی تک عبد نہیں بنے۔ وہ تمہارے اندر میرے نشانات دیکھیں اور میری صفات کو ملاحظہ کریں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو کہ جب خدا کے وہ بندے جو اپنے اندر اس کی صفات جذب کئے ہوئے ہیں۔ اس قدر رحم دل اور شفیق ہوتے ہیں تو وہ خدا کیسا شفیق اور محبت کرنے والا ہو گا جس کے یہ آئینہ ہیں۔

اسی کی طرف بائبل میں اشارہ ہے کہ انسان کو خدا نے اپنی شکل پر پیدا کیا۔ (پیدائش) تاکہ خدا اپنے صفات اپنے بندے کے اندر جلوہ گر کرے اور اس کو دوسرے بندوں کے لئے بطور نمونہ ظاہر کرے جس کی وہ تقلید کریں۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ ہو۔ تو تمام گناہوں سے نجات پا لیتا ہے اور اس کو وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف قرآن شریف میں خدا تعالیٰ اس طرح اشارہ فرماتا ہے: **فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** (الفجر: ۳۱) کہ چونکہ تو میرا عبد بن گیا ہے اور میری صفات کا جلوہ گاہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اب تو میرے مقام پر کھڑا ہو سکتا ہے اور میرا مقام وہ مقام ہے جس میں کسی قسم کی احتیاج انسان کو دکھ نہیں دیتی نہ بھوک اس کو ستاتی ہے نہ پیاس اس کو تنگ کرتی ہے۔ اور نہ ہی اس کو فنا ہونے کی خلش دامنگیر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ **کن فیکون** کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا **لھم مایشاءون فیھا ولدینا مزید** (ق: ۳۶) یعنی جو وہ چاہیں گے۔ ان کو مل جائے گا اور یہی مفہوم **کن فیکون** کی آیت میں ادا کیا گیا ہے۔ جو کچھ خدا کہتا ہے ہو جاتا ہے۔ غرض کہ مرنے کے بعد اس مقام پر پہنچ کر انسان خدا کی

صفات کو اپنے اندر لے لیتا ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ کسی قسم کے حوائج کی تکالیف اسکو نہیں ہوتیں۔ اور نہ ہی اس کو دکھ دیتی ہیں جس طرح کہ خدا کو وہ نہیں ہوتیں۔ غرض یہ کہ خدا کی صفات بندہ کو جنت میں ملتی ہیں۔ اس دنیا میں نہیں ملتیں کیونکہ اگر یہاں بندہ خدا کی صفات کو اس طرح ظاہر کرے تو شرک کا ڈر ہے۔ لیکن چونکہ قیامت میں شرک کا ڈر نہیں ہو گا۔ اس لئے بندہ خدا کی صفات کا پورا مظہر ہو گا۔

ہاں خدا اور بندہ میں یہ فرق ہو گا کہ خدا کی صفات ذاتی ہیں۔ وہ صمد ہے بے نیاز ہے۔ اس نے کسی اور سے صفات نہیں لیں۔ لیکن بندہ صمد نہیں۔ بلکہ محتاج ہے اور اس نے ان صفات کو خدا تعالیٰ سے حاصل کیا ہو گا۔ اور وہ ہر دم اسی کا محتاج ہو گا۔

یہ بیان کرنے کے بعد میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم خدا سے غنی ہو۔ اور خدا کے محتاج نہیں ہو۔ کیا تم نے انسان کی پیدائش کی غرض کو پورا کیا۔ اور اس کے لئے کوشش کی ہے کہ تم خدا کی صفات میں رنگین ہو جاؤ۔ اس کو حاصل کر لو۔ اسی کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس کے حصول کے لئے تڑپتے رہو تم خوش قسمت ہو کہ تم نے خدا کے ایک نبی کو دیکھا اور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تمہیں خدا نے وہ نعمت دی جس کے لینے کے لئے دوسری قومیں تڑپتی ہیں لیکن ان کو نہیں ملی ۱۹۰۰ انیس سو سال گذرے کے عیسائیوں نے نبی کی شکل نہیں دیکھی۔ ۳۳ سو سال گذرے کہ یہودیوں نے خدا کے فرستادہ کا چہرہ نہیں دیکھا اور تیرہ سو سال گذرے کہ مسلمانوں نے کسی برگزیدہ کی صحبت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس لئے تم جتنا اس نعمت کے حاصل ہونے پر خوش ہو کم ہے اور جتنی خوشی مناؤ تھوڑی ہے۔ لیکن تمہارا خوش ہو لینا ہی کافی نہیں۔ بلکہ تمہیں چاہیئے کہ اس نعمت کی قدر کرو اور اس آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگرچہ دوسری قومیں اس آفتاب کے مقابلے میں چمگاڈروں کی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ اس نور کی قدر و منزلت نہیں جانتیں۔ اس لئے اس آفتاب کی روشنی سے چھپنا چاہتی ہیں۔ کیونکہ ان کی آنکھیں بیمار ہیں۔ اور ان میں طاقت نہیں کہ اس آفتاب کی روشنی کو دیکھ سکیں لیکن تم نے آفتاب کو دیکھا ہے۔ اس کی روشنی کو ملاحظہ کیا ہے اس لئے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کتنے ہیں جن کی یہ خواہش ہے کہ ہم نے خدا کو ملنا ہے اور اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ بہت کم لوگ ہیں۔ جن کی یہ خواہش تو ہے اور پھر وہ بہت کم ہیں جن کی یہ خواہش ہے۔ مگر وہ اس کے پورا کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ اکثر لوگوں کا وقت غفلت میں گذرتا ہے تم میں سے بہت ہیں جنہوں نے حضرت صاحب کے وعظ اور

لیکچر سنے پھر حضرت خلیفہ اول کے درسوں اور وعظوں میں شامل ہوئے اور پھر میرے خطبے اور درسوں کو سنا ہے لیکن باوجود اس کے تم میں ایسا نمایاں تغیر نہیں آتا جس سے یہ معلوم ہو کہ تم کسی امر کے حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہو رہے ہو اور سخت بے چین ہو اور تمہیں ایک منٹ بھی چین نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری ترقی کی رفتار بہت سست ہے اور تم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو کئی قسم کے عیبوں سے ملوث ہیں تم دیکھو گے کہ کئی ایسے ہوں گے جنہیں غیبت کی عادت ہو گی بہت ایسے ہوں گے جنہیں خیانت کی عادت ہو گی کئی ایسے ہوں گے جنہیں جھوٹ کی عادت ہو گی۔ باوجود ان عادات قبیحہ کے پھر وہ مطمئن ہیں یہ نہیں کہ وہ عادات قبیحہ کو ترک کر دیں اور اپنے اندر ایک نمایاں فرق پیدا کر لیں۔ اور اس کوشش میں لگے رہیں کہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی صفات کا جلوہ گاہ بنائیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ فوراً تغیر آ جائے۔ صحابہ میں بھی تغیر فوراً نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ بے اطمینانی اور بے چینی کا پیدا ہونا اصلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور مومن کو اپنی اصلاح کے لئے ہر وقت کوشاں رہنا چاہیئے۔ دیکھو کڑوی دوا انسان کی طبیعت میں گھبراہٹ پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن وہی کڑواہٹ بیماری کو دور کر دیتی ہے بیماروں کو بحران پڑتا ہے۔ جس کے متعلق طبیب کہتے ہیں کہ یا تو بیمار مر گیا یا بچ گیا پس اس وقت بیمار کی بے چینی اس کی حالت کو اکثر اوقات اچھا بنا دیتی ہے۔ اور وہ تندرست ہو جاتا ہے۔

تم میں خدا تعالیٰ کو پانے کے لئے بے چینی بے اطمینانی اور گھبراہٹ پیدا ہو جانی چاہیئے۔ تاکہ تمہارا علاج جلدی ہو سکے۔ اور تمہیں جلد شفا حاصل ہو جائے۔ وہ مریض کیسے شفا پا سکتا ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ بیمار ہے اور اگر اس کو لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنا علاج کرو تاکہ تم تندرست ہو جاؤ۔ تو وہ ڈانٹ کر جواب دیتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ میں تندرست ہوں۔ ایسے مریض کا جانبر ہونا نہایت ہی مشکل ہے۔ ڈاکٹر کو وہی مریض تلاش کرے گا جسے اپنے بیمار ہونے کا احساس ہو گا اور اپنی بیماری کے متعلق جس کو بے چینی اور بے اطمینانی ہو گی۔ پس تم اپنے اندر بے اطمینانی اور بے چینی پیدا کرو۔

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے تم کو کتنے ہی خطبے ایسے سنائے ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرتے اور تم میں ان پر کاربند ہونے کی گھبراہٹ ہوتی تو تم ضرور اپنی کمزوریوں کا علاج کر لیتے اور اپنے غرض کو حاصل کر لیتے۔ لیکن افسوس کہ تم میں سے بہتوں نے ان خطبوں ان وعظوں ان

لیکچروں کو کانوں سے سنا لیکن قلب میں جگہ نہ دی۔ وعظوں کے سننے کے بعد اٹھ کر چلے گئے۔ اور ایسے ہو گئے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ اور نہ ہی کبھی ان پر عمل کرنے کی کوشش کی میں کہتا ہوں کہ ایسے وعظوں اور لیکچروں کے سننے سے کیا فائدہ۔ لیکچروں اور وعظوں کے سننے کی غرض تو ان نصائح پر عمل کرنا ہوتی ہے۔ جو ان میں بتلائی جاتی ہیں۔ اور جب تک انسان ان نصائح پر عمل کر کے اپنے اندر ایسا تغیر نہ پیدا کر لے کہ جس سے وہ دنیا ہی میں خدا تعالیٰ سے ملاقات حاصل کر لے اور اس کے نورانی چہرہ کو دیکھ لے۔ اور اس سے مل جائے۔ تب تک اس کے لئے مرجانے کی جگہ ہے۔

تم میں سے بہت ہیں جو اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کو صداقت مسیح موعود کے مسئلہ کے دلائل معلوم ہو گئے۔ اور سمجھتے ہیں کہ مسیح موعود کی صداقت پر ہمارا انشراح صدر ہو گیا۔ تم میں سے بعض یہی کافی سمجھ لیتے ہیں کہ وفات مسیح کا مسئلہ ہم نے ایسا حل کر لیا ہے کہ اور کوئی اس میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا تم میں سے بعض اسی پر پھولے نہیں سماتے کہ ہم کو قرآن کے متعلق علوم و فنون پر کافی اطلاع ہے۔ اور اس میں ہمارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم میں سے بہت ہیں۔ جو اس بات پر شاد ہیں کہ ہم بڑے اچھے مناظر ہیں۔ ہمارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یا ہم بڑے اچھے مولوی ہیں ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ سب سے بڑے مولوی ہونے سے تم خدا تک نہیں پہنچ سکے۔ اور نہ ہی تم اس کی ملاقات حاصل کر سکتے ہو۔ تمہاری کتابیں اور تمہارا علم تم کو خدا تک پہنچانے سے قاصر ہے۔ ہاں اگر کوئی چیز تم کو خدا تک پہنچا سکتی ہے تو وہ ایک ہی چیز ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو پانے کے لئے بے چینی گھبراہٹ اور بے اطمینانی ہے۔ اگر تم نے اس بے اطمینانی اور گھبراہٹ کو اپنے اندر پیدا نہیں کیا۔ جس کے ذریعہ تمہارا جوڑ خدا تعالیٰ سے ہو جائے تو میں کہتا ہوں تم نے کچھ بھی نہ کیا۔ تم اپنے اندر اس بے اطمینانی اور بے چینی کو ظاہر کرو اور اس کے پورا کرنے میں کوشاں رہو اور اس دن کے لئے تیاری کرو۔ جبکہ تم رب العزت کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔

پس قبل اس کے کہ تم اس کے سامنے پیش ہو۔ اور تم سے تمہارے اعمال کی نسبت باز پرس کی جائے اپنے اخلاق درست کرو۔ کیونکہ یہی سیڑھی خدا تک پہنچنے کی ہے۔ میں اپنی واقفیت کی بنا پر کہتا ہوں کہ میں نے خدا کی صفات خوشنودی اور غضب کو دیکھا ہے۔ اور معلوم کر لیا ہے کہ اخلاق کی درستی اور ان کا سنوارنا خدا تعالیٰ کے حصول کے لئے ایک لابدی امر ہے۔ اور مجھ پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ بداخلاقی ایک نجاست ہے جو خدا تعالیٰ سے دور پھینک دیتی ہے کیا تم اپنے بدن پر نجاست کے ہوتے ہوئے بادشاہ کے سامنے جا سکتے ہو کیا کوئی تم میں سے نجاست کے ٹوکرے کو سر پر

اٹھا کر بادشاہ کے حضور جا سکتا ہے ہرگز نہیں پھر تم بداخلاقی کی نجاست سے ملوث ہوتے ہوئے کس طرح رب الکائنات کے دربار میں حاضر ہو سکتے ہو۔

پس تم اگر چاہتے ہو کہ اس رب الکائنات کے دربار میں باریابی حاصل کرو۔ تو اس کے لئے تم کو اخلاق فاضلہ کا حاصل کرنا اور مختلف اوقات میں اپنے جوشوں کو دبانا اور اپنی زبان کو لگام میں رکھنا پڑے گا تمہیں اپنے نفسوں کو خدا کے لئے قربان کرنا پڑے گا مخلوق خدا کی ہمدردی میں ہر وقت کوشاں رہنا ہو گا۔ اور تمہیں اپنے اندر ایک نمایاں تغیر پیدا کرنا ہو گا تب تم کافر کی قبر کی بجائے مومن کی قبر میں ڈالے جاؤ گے اور تمہارے لئے ایک کھڑکی جنت کی طرف کھولی جائے گی تاکہ تم اس کی خوشبوؤں سے اپنے دل کو خوش کرو۔

بعض نادان اخلاق فاضلہ کو ہی غرض و غایت ٹھہرا لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اخلاق فاضلہ ہی انسان کا مقصد اعظم ہے اور یہی کامیابی کی کلید ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اخلاق فاضلہ ہرگز انسان کی پیدائش کی غرض و غایت نہیں ہیں بلکہ انسانی پیدائش کی غرض وغایت خدا کو حاصل کرنا اور اس کا قرب پانا ہے اور اخلاق تو صرف خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ انہیں سنوارنے اور درست کرنے سے ہم خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور یہ خدا کے حاصل کرنے میں ایک سیڑھی کا کام دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہمارے اصل مقصود نہیں۔ اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اخلاق فاضلہ کا حاصل کرنا انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہے تو ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر ایک وہ شخص جو اخلاق فاضلہ اختیار کئے ہوئے ہو۔ خدا کا مقرب اور اس کا محبوب ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ عیسائی لوگ اپنے اندر ایک حد تک اخلاق فاضلہ رکھتے ہیں۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ خدا رسیدہ ہیں اور خدا کو ان سے محبت ہے۔ اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ بسا اوقات ایک آدمی جو اپنے خلق کی وجہ سے نہایت شریف اور سنجیدہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی درگاہ سے راندہ ہوا ہوتا ہے۔ اور اس قابل نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اس کو زمرۂ صلحا میں داخل کرے۔ پس یہ تو درست ہے کہ اخلاق فاضلہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں جو انسانی زندگی کا اصل مدعا اور مقصد ہے لیکن یہ درست نہیں کہ وہ خود مستقل انسانی زندگی کی غرض و غایت ہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ اس طرح ہے جیسے انٹرینس۔ ایف اے اور بی اے اور ایم اے تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اسے پاس کرنے کے بعد طلباء بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کر کے ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق فاضلہ بمنزلہ انٹرینس ہیں۔ ان کے اختیار کرنے کے بعد خدا کا حصول اور قرب

انسان حاصل کر سکتا ہے۔

تو اخلاق فاضلہ صرف خدا تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اور ایک بلندی پر پہنچنے کے لئے بمنزلہ سیڑھی ہیں۔ پس تم اس بلندی پر پہنچنے کے لئے اور اپنے محبوب کو حاصل کرنے کے لئے اخلاق فاضلہ اختیار کرو۔ تاکہ اس تک تم پہنچ سکو۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ کتنے تم میں سے ایسے ہیں جو اپنی کمزوری کی وجہ سے ذرا سی مشکل کے پیش آنے پر احمدیت سے ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور غصے میں کئی ایک ایسے فقرے ان کی زبان سے نکل جاتے ہیں جو نہ صرف خدا کے پہنچنے میں روک کا کام دیتے ہیں بلکہ وہ انسانیت کی حد سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ سو میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم خدا کی صفات کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے اندر ایک نمایاں تغیر پیدا کرو۔ اور اخلاق فاضلہ اختیار کرو۔ تاکہ تم آسانی سے اس کی صفات کو اپنے اندر جذب کر سکو۔

خدا ہم سب کو اخلاق فاضلہ حاصل کرنے کی توفیق دے۔ اور اس زیست کے پانے کی توفیق دے جو ہمیں مرنے کے بعد ملے گی۔ اور خدا ہمارے اندر ایسے تغیرات پیدا کر دے کہ ہم اس کی صفات کو آسانی سے اپنے اندر جذب کر سکیں آمین

(الفضل ۲ مئی ۱۹۲۴ء)